فردوسی

(از مولوی محمد ظہیر الدین صاحب ظہیر حسین آبادی اعظمی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

ہندوستان کے بعض اہل قلم نے فردوسی کی سوانح حیات کو پوری تحقیق اور نہایت تفصیل وبسط کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ لیکن ذیل کا مقالہ ایک مصری تحقیق کی تحقیق کا نتیجہ ہے جو فردوسی کی ہزار سالہ برسی منائی جانیکے وقت مصر کے موقر رسالہ "الہلال" میں شائع ہوا تھا۔ چونکہ یہ مضمون ہمیں اب دستیاب ہوا ہے اسلئے ہم ناظرین کے استفادہ کی غرض سے اسکا ترجمہ بعینہ پیش کرنیکا شرف حاصل کررہے ہیں ظہیر

پروفیسر براؤن اپنی کتاب "تاریخ ادب فارسی" میں فرماتے ہیں "اگر ہم فردوسی کی مختصر حالت بیان کرنا چاہیں تو وہ چند الفاظ میں یہ ہے کہ وہ طوس کے زراعت پیشہ لوگوں میں سے ایک لائق عزت اور صاحب مال آدمی تھا۔ اسکی ولادت کا زمانہ ۹۳۰ء یا اس سے کچھ بعد کا زمانہ ہے۔ وہ بحث میں تاریخ قدیم اور قصص کی طرف زیادہ مائل معلوم ہوتا ہے "سفر الملوک" کے مطالعہ سے اس کے اس میلان میں اور زیادتی ہوجاتی ہے "سفر الملوک" نثر کی ان کتابوں میں سے ہے جسے ابو منصور عمری نے ابو منصور ابن عبد الرزاق کیلئے فارسی ذخائر سے جمع کیا تھا۔

فردوسی نے اپنے اوپر اس کتاب کے نظم کرنیکا التزام کیا۔ پچیس ۲۵ سال کی محنت اور کاوش کے بعد اس کا پہلا نسخہ ۹۹۹ء میں مکمل ہوا جو احمد بن محمد بن ابوبکر خلنجانی کی خدمت میں ہدیہ کردیا گیا۔ دوسرا نسخہ جو سلطان محمود کی خدمت میں ہدیہ کیا گیا تھا ۱۰۱۰ء کے قریب مکمل ہوا تھا۔ سلطان محمود سے فردوسی کی نزاع اور اسکا فرار الی غزنہ اسکے کچھ دنوں بعد کا واقعہ ہے۔ فردوسی امراء آل بویہ میں سے کسی ایک کی حمایت میں کچھ دنوں تک قیام کرنے اور اس کیلئے "قصۂ یوسف وزلیخا" نظم کرنے کے بعد ۹۰ سال کی عمر میں اپنے وطن "طوس" کیطرف واپس آیا اور وہیں ۱۰۲۰ء یا ۱۰۲۵ء میں انتقال کرگیا۔

مذکورہ بالا روایت پروفیسر براؤن کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ لیکن وہ اس روایت میں اکثر جگہ غلطی کرگئے ہیں۔ چنانچہ شاعر کی اقتصادی خوشحالی اور مالی بے فکری کے ضمن میں انھوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ پروفیسر عبد الوہاب کے نزدیک پایۂ تحقیق سے گری ہوئی چیز ہے۔ جیسا کہ انھوں نے مقدمۂ شاہنامہ میں بحوالہ دولت شاہ لکھا ہے کہ "فردوسی کی اقتصادی خوشحالی بالکل بے معنی اور لغو بات ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ غریب تھا اور اسکا فرار الی غزنہ والی "طوس" کی ستم رانیوں کا نتیجہ تھا اس نے مسافرت اختیار کرنیکے بعد اپنے اشعار کو اپنا وسیلۂ معاش بنایا۔ یہانتک کہ عنصری کی مساعی اسے سلطان کے دربار تک کھینچ لائی"۔

پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب میں اس روایت کو بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن جہانتک تحقیق کا تعلق ہے پروفیسر عبد الوہاب براؤن سے اس بارے میں سبقت لیگئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں "مورخین اور مفتشین فردوسی کے معاملہ میں بہت سی غلطیوں میں پڑگئے۔

کیونکہ انھوں نے اس بارے میں بہت سی مشتبہ چیزوں سے استدلال کیا ہے جیسا کہ وہ لفظ "دھقان" سے اسے صاحب زراعت بتاتے ہیں۔ حالانکہ "دھقان" کا لفظ قصہ گو کیلئے بھی بولا جاسکتا ہے"۔ پروفیسر براؤن کی تحقیق کے مطابق فردوسی کا سنِ ولادت سنہ ۹۲۰ء یا اس سے کچھ بعد کا زمانہ ہے حالانکہ جرمنی مستشرق نولڈکہ کے نزدیک یہ تحقیق لائق ترجیح ہے کہ وہ سنہ ۳۲۳ و ۳۲۴ھ یا سنہ ۳۲۶ھ ۹۳۵ء کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ ایرانی حکومت کے نزدیک بھی یہی تحقیق مسلم اور درست ہے۔ چنانچہ اس نے اسی تاریخ کے مطابق لوگوں کو فردوسی کی برسی منانے کا حکم دیا تھا۔

لیکن پروفیسر عزام کے نزدیک یہ دونوں تحقیقیں غیر مسلم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسکا سنِ ولادت سنہ ۳۲۹ھ یا سنہ ۹۴۱ء ہے۔ اسی طرح پروفیسر مذکور فردوسی اور سلطان محمود کی نزاع کے بھی منکر ہیں اور اس بات کو بھی ماننے کیلئے تیار نہیں کہ فردوسی سلطان کے خوف سے اپنا مولد چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا۔ بلکہ ان کا خیال ہے کہ اسکی ہجرت مازندران بعض دوسری وجوہ پر مبنی تھی۔ چنانچہ اس نے جب اپنے وطن آنیکا قصد کیا تو اُسے کسی کا ڈر نہ تھا اور وہ نہایت اطمینان سے واپس لوٹا۔

فردوسی کی شخصیت اسکی کنیت ابوالقاسم نام منصور ہے وہ مولانا فخرالدین احمد بن مولانا فخرج الفردوسی کی خاندان سے ہے فردوسی کی کنیت اور لقب ہیں تو مورخین کا اتفاق ہے لیکن اسکے اور اسکے والد و جدامجد کے نام میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کے تخلص کی نسبت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ سلطان محمود سبکتگین نے اسکو فردوسی کے لقب سے اسوقت نوازا جب اسکے ہنگامہ پرور اور دل نشین اشعار محمود کے صبر و سکون کو لوٹ چکے تھے۔

لیکن پروفیسر عزام کے نزدیک مذکورہ بالا روایت لائق اعتنا نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ سلطان محمود نے اسے فردوسی کے لقب سے اسوقت نوازا جب وہ اسکے اشعار سے مسحور ہو چکا تھا۔ نیز اسکے طوس سے غزنہ کی طرف فرار کی وجہ پروفیسر مذکور کے نزدیک والی کا ظلم تھا۔ چنانچہ جب اسکے مظالم فردوسی کی برداشت سے باہر ہو گئے تو اس نے مجبوراً قصدِ مسافرت کیا۔ اثنائے قیامِ غزنہ میں اسے ایک باغ میں تین شاعر ملے جو فارسی قصص کو نظم کر رہے تھے۔ فردوسی جب انکے پاس پہنچا تو انھیں اسکی موجودگی کچھ ناگوار گذری۔ لیکن جب فردوسی نے انھیں اس بات کا یقین دلایا کہ میں بھی آپ کے دیئے ہوئے قوافی و وزن کے ماتحت واقعات منظوم کرنیکی کوشش کرونگا تو انھوں نے اسے بخوشی منظور کیا اور ایک مشکل ترین قافیہ کے زیرِ تحت ہر ایک نے ایک ایک مصرعہ کہنا شروع کیا۔ فردوسی نے ان کے دیئے ہوئے وزن اور قافیہ کی رعایت کرتے ہوئے نہایت سہولت سے ایک دلکش اور لطیف مصرعہ کہدیا جو تینوں شعراء (فرخی، عسجدی اور عنصری) کے مصرعوں سے بلیغ اور عمدہ تھا۔ موجودین نے اس مصرعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فردوسی سیر الملوک کے واقعات سے ضرور واقف ہے اور اسکے بعض حصص کی منظومات اسی کا نتیجہ فکر معلوم ہوتی ہیں۔ اسی باغ میں فردوسی کو محمود کا ایک ندیم ملا جس نے بادشاہ کو فردوسی کے سیر الملوک میں سے بعض واقعات کے نظم کرنیکی خبر دی چنانچہ وہ بہت خوش ہوا اور اسے پوری کتاب (شاہنامہ) کے نظم کرنیکی تلقین فرمائی۔

ان سطور کے بعد مقدمہ بایسنقر میں مذکور ہے کہ بادشاہ فردوسی کے کلام کی بہت تعریف کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے ان

قصص کو بارہا سنا ہے لیکن فردوسی نے اپنے بلند خیالات اور ہنگامہ خیز و پُرکیف جذبات سے ان میں جدت اور جاذبیت کی وہ روح پھونکی ہے کہ انھیں سنکر بے اختیار دل کھنچا جاتا ہے۔ فردوسی کی سحر طرازیوں نے ان قصص و حکایات میں فردوس کی نیرنگیاں اور خلد بریں کی جاذبیتیں بھر دی ہیں۔ اگر انھیں مجلس میں پڑھا جائے تو لوگ خیالات کی فضا میں اسقدر بلند پروازیاں کرنے لگتے ہیں کہ گویا وہ فردوس میں پہنچ گئے ہیں۔ اسلئے آج سے شاعر کو فردوسی کے تخلص سے نوازا جاتا ہے۔

شاہنامہ | فردوسی اور شاہنامہ کے درمیان ایک ایسا ترادف ذہنی پیدا ہو گیا ہے کہ فردوسی کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ شاہنامہ کا خیال ناگزیر ہے۔ اسی بنا پر اکثر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہو گئے کہ شاہنامہ کی اصل تعمیر فردوسی کی مساعی کی رہین منت ہے۔ حالانکہ فردوسی اپنے منظوم شاہنامہ کے ساتھ سیر ملوک الفرس پر اسی قدر فوقیت رکھتا ہے جسقدر ایک شاعر ایک افسانہ نگار پر جو لوگ فردوسی کو شاہنامہ کا اصلی مصنف قرار دیتے ہیں انھوں نے فردوسی کے اصلی خدوخال کو اچھی طرح نہیں پہچانا۔ فردوسی کی بلند پایہ شخصیت کیلئے یہ عظمت و فوقیت کافی ہے کہ اس نے اپنی شاعرانہ بلند خیالیوں سے ایرانی قصص و حکایات میں تنوع اور جدت کے اس خمیر کی آمیزش کی جس نے عہد تاریخ سے ساتویں صدی تک انھیں مٹنے سے بچایا۔

فردوسی نے اپنی متنوع اور مخترع قوت شاعری سے جس طرح قصص و حکایات کو رواج دینا چاہا ہے۔ ہومر بھی اس میدان میں اسکا متبع معلوم ہوتا ہے لیکن آخرالذکر کی شاعری زیادہ تر مشہور قصص و حکایات سے متعلق ہے۔ اسطرح ان دونوں شخصیتوں میں مختصر سا فرق کیا جا سکتا ہے۔ فردوسی جانتا تھا کہ خود نوشتہ اور نقل کردہ قصص و حکایات میں نقل کرنیکے قواعد کا التزام اور اصول کی پابندی لوگوں کو تحقیق کی طرف سے بے پرواہ نہیں کر سکتیں۔ اسلئے اس نے اکثر مقامات میں اس حقیقت کو عریاں کرنے سے دریغ نہ کیا کہ ان حکایات و قصص کو میں اس امانتدار ناقل کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں جس نے اپنی نقل میں اصل ماخذ میں کچھ تصرف کئے بغیر اسے بجنسہٖ نقل کر دیا ہو چنانچہ وہ کاموس کاشانی کے قصہ کی ابتدا میں لکھتا ہے کہ:۔

"ہم حرب کاموس کے واقعات بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔ اگر تمہیں اصل حقیقت کی تلاش ہو تو تجربہ کار دہقان کی تالیف کی طرف رجوع کرو۔" پھر اس حکایت کے اخیر میں لکھتا ہے "میں نے حرب کاموس کو علی طولہا بجنسہٖ نقل کر دیا ہے۔ اور اس میں کچھ فروگذاشت نہیں کی ہے اگر اصل واقعہ سے ایک لفظ بھی رہ گیا ہو تو میں اسکے نقل کرنے سے دریغ نہیں کرونگا" پس یہ حقیقت تشنۂ تحقیق نہ رہی کہ فردوسی اپنے اخبار و واقعات کو سیر ملوک الفرس سے لیتا ہے اور اس حقیقت کے اعتراف میں اپنی خفت کا خیال کئے بغیر شاہنامہ میں اسکی تصدیق کرتا ہے۔

فردوسی جس طرح شاہنامہ (سیر ملوک الفرس) کا اصل مصنف نہیں اسی طرح اسکا ناظم اول بھی نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کام کیلئے اس سے پہلے ایک حساس نوجوان تیار ہوا تھا جسکی بلند فکری، قادرالکلامی اور فصاحت لسانی مشہور تھی۔ جب اس نے سیر ملوک الفرس کے نظم کرنیکا خیال لوگوں کے سامنے ظاہر کیا تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد اسکے اور اسکے دادا کے مابین کچھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور ابھی وہ حرب گشتاسب اور ارجاسب سے متعلق ہزار ہی شعر کہنے پایا تھا کہ ایک غلام کی

خون آشام تلوار اسکا کام تمام کر گئی اور کتاب ناتمام رہ گئی۔ فردوسی بھی شاہنامہ کے مقدمہ میں اس بیان کی تصدیق کرتا ہے اور جس نوجوان کی طرف وہ اشارہ کرتا ہے۔ وہ چوتھی صدی ہجری کا ایک عظیم المرتبت اور مشہور ترین فارسی نژاد شاعر (دقیقی) ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی قدر بدخلق واقع ہوا تھا اور اسکی صحبت میں اکثر شرارت پسند لوگ رہا کرتے تھے۔ غالباً اسی لئے کسی غلام کے ہاتھوں اسکا قتل وقوع پذیر ہوا۔

فردوسی کی دیانت دیکھئے کہ اس نے شاہنامہ میں ان ہزار اشعار کو بھی شامل کر دیا ہے جو دقیقی کی طبع رسا نے موزوں کئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ فردوسی کے ان اشعار کے شاہنامہ میں داخل کرنیکا اصل سبب یہ ہے کہ اس نے ایک شب دقیقی کو خواب میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر آپ ان ہزار اشعار کو جو میں نے حرب گشتاسب اور ارجاسب سے متعلق کہے ہیں شاہنامہ میں شامل کرلیں اور وہ اس طرح شہنشاہ محمود کی نظر سے گذر جائیں تو میں اپنی محنت کی داد پالونگا۔

شاہنامہ کی عظمت پروفیسر براؤن شاہنامہ کی عظمت کے بیان میں چند حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس چیز کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اب۔ سے پہلے کے مستشرقین نے جو ادب فارسی سے انسیت رکھتے تھے ایرانیوں کے حالات کا اندازہ لگانے میں ظواہر کو ملحوظ رکھا ہے۔ لیکن پروفیسر براؤن کے نزدیک یہ چیز لائق عمل نہیں۔ اسلئے وہ شاہنامہ کو معلقات سبعہ (عربیہ) پر ترجیح دینے سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ فردوسی کے ہمنواؤں اور عقیدتمندوں کی آرا کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی شستہ بیانی اور صاف گوئی کی قدر کرنے سے دریغ بھی نہیں کرتے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ سلطان محمود کے اس بیان کے پیش نظر جو اس نے فردوسی کے متعلق ظاہر کیا ہے اور جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ فردوسی کی شخصیت اس سے کہیں زیادہ رفیع ہے جسے مسٹر براؤن ظاہر کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ فردوسی کی قدر و قیمت اہل زبان کے نزدیک جو کچھ ہو سکتی ہے وہ غیر اہل زبان کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔

سلطان محمود سے فردوسی کا اختلاف مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ فردوسی نے اپنا منظوم شاہنامہ محمود سبکتگین کی خدمت عالی میں پیش کیا تھا اور اسے اس سے انعام و اکرام کی توقع تھی۔ لیکن محمود نے اس کے پاس جتنی رقوم بھیجیں فردوسی اس پر قناعت نہ کر سکا اور وہاں سے حسرت و مایوسی کے ساتھ مازندران کی طرف کوچ کر گیا اور اسی غربت و مسافرت کی حالت میں اسنے اپنے اوپر یوسف زلیخا کے نظم کرنیکا التزام کیا۔

روایتیں اس بارے میں مختلف ہیں کہ محمود کے انعام کی مقدار کیا تھی اور فردوسی نے اسکا موضع تصرف کیا قرار دیا۔ لیکن بعض مورخین کے نزدیک یہ حقیقت لائق ترجیح ہے کہ محمود نے ابتداً اس کے پاس ساٹھ ہزار اشرفیوں کے بھیجنے کا ارادہ کیا تھا مگر حساد کی شکایتوں سے متاثر ہو کر اس نے اسکی نوعیت بدل کر اشرفیوں کے بجائے ساٹھ ہزار روپے بھیجے جو فردوسی کے نزدیک اپنی محنت شاقہ کے بالمقابل بہت کم تھے۔ ایاز جب انعام لیکر پہنچا تو فردوسی حمام میں تھا۔ غسل سے فارغ ہونیکے بعد اس نے جب اشرفیوں کے بجائے روپئے دیکھے تو اسے سخت غصہ آیا اور اس نے وہیں اس کے تین

حصے کر ڈالے جن میں سے ایک حصہ صاحب حمام کے حصہ میں آیا دوسرا ایک شراب فروش کے اور تیسرا ایاز کے۔

وہ اس کام سے فارغ ہو کر ایاز کیطرف متوجہ ہوا اور غصہ میں بھر کر بولا کہ سلطان تک میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں نے یہ مصیبتیں انعام کے لالچ میں نہیں جھیلی تھیں بلکہ اس سے میرا مقصود یہ تھا کہ دنیا میں اپنی دائمی یادگار اور ابدی ذکر چھوڑ جاؤں۔

پروفیسر عرام کو اس روایت کے بعض حصے سے اختلاف ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ شاعر کی طرف منسوب کردہ بعض اشعار سے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس نے سلطان کا انعام ایاز، صاحب حمام اور شراب فروش کے مابین تقسیم کر دیا حالانکہ یہ بات دائرۂ تحقیق سے خارج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اس انعام کو لے لینے کے بعد قصد مسافرت کیا تھا۔ فردوسی کی مازندران کی طرف ہجرت اسکی مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اقتصادی مشکلات سے وہ ذاتی مشکلات میں گھر گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی ۳۵ سالہ محنت کا اجر امید سے بہت کم ملا ہے۔ اس طرح سیر الملوک کے نظم کرنے کی محنت کا ثمرہ اس کی نظروں میں غیر وقیع اور ناقابل قبول تھا۔ اسلئے وہ یہ خیال کرنے پر مجبور ہوا کہ ان بادشاہوں کی اولاد کے نزدیک اسکی کوئی قدر نہیں اور وہ اسکے انعام واکرام کے باب میں بالکل نااہل ہیں چنانچہ یوسف زلیخا کے بعض اشعار اور چند دیگر قصائد اس کے اس خیال کا بہترین آئینہ ہیں۔ ان روح فرسا واقعات سے فردوسی کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ اپنے عہد پیری میں شکستہ دل ہو کر انبیاء کے قصص کو منظوم کرنیکی طرف متوجہ ہوا اور نہایت حسرت و یاس سے کہتا ہے۔

"میں نے ہر عنوان پر طبع آزمائی کی اور میرے دلنشین اشعار کو ہر شخص نے گوش ہوش سے سنا اور ان سے لذت یاب ہوا۔ لیکن میں نے ان سے شمہ برابر بھی لذت نہ پائی۔ افسوس میں نے گناہوں کی تخم ریزی کی ہے اور آج نتیجہ کے طور پر غم و ہم اور رنج والم کا شکار ہو رہا ہوں۔ اب میں اپنے دل وزبان پر خاموشی کی مہر ثبت کرتا ہوں۔ اور عہد پیری میں جبکہ میرے نابل دودھ کی طرح سفید ہو چکے ہیں عہد کرتا ہوں کہ اب کبھی بھی جھوٹ بولنے اور گناہوں کی تخم ریزی کرنیکی جرأت نہ کرونگا"

"میرا دل افریدوں کی طرف سے ٹوٹ چکا ہے اور میں کیقباد سے رنجیدہ خاطر ہوں۔ افسوس کیکاؤس کا تخت سلطنت ضائع ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیخسرو اور افراسیاب کی طرف سے تختۂ مشق بنائے جانیکے علاوہ بھی میرے حصہ میں کوئی چیز آسکتی ہے؟ عقل کبتک ان ستم رانیوں کو گوارا کرتی رہیگی اور جذبات اس بارے میں کب میری ہمنوائی کر سکتے ہیں کہ میں اپنے ہنگامہ پرور اور کیف بار اشعار کے ذریعہ رستم کو مشہور کرنے میں اپنی نصف متاع حیات کو ضائع کر دوں"

پھر کہتا ہے "میرا دل بادشاہوں کے عتاب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور اب میں ان کے قصوں کو شعریت کا جامہ پہنا کر روایت کرنے سے قاصر ہوں میں نے ابتک جو کچھ کہا اسمیں جھوٹ کی کافی آمیزش تھی اور ان تخیلوں میں سے دو سو سچ بھی لگنے کے قابل نہیں"

پھر کہتا ہے "انبیاء کے حالات کی روایت مجھ پر فرض عین اور واجب ہے جنکی زبان فیض ترجمان کبھی جھوٹ سے ملوث نہیں ہوئی"